JAHAN-E-TAHQEEQ
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

اردو رباعی کے سفر میں گلزار بخاری کا مقام

شائستہ اعوان

پی ایچ ڈی اسکالر پنجاب یونیورسٹی لاہور

Abstract

The journey of Urdu ruba'i spans many centuries. Almost every classic has tried to write in this genre. Gulzar Bukhari is a well-known name among those who are writing ruba'i in the present age. Gulzar Bukhari has introduced the Ruba'i in a new harmony by presenting its traditional subjects and modern themes.His poetic consciousness is formed by the combination of contemporary awareness and sensitivity . His first book ''ہوا پتے گرائے گی'' has published in 2013 which consists of 66 ghazals and 37 poems. His unpublished work also contains a large number of Hamds and Rubai's, so that a separate collection of these Ruba'i can be formed.

صنفِ سخن۔ طبع آزمائی۔ ایجاز واختصار۔ لسانی محاسن۔ بذلہ سنجی۔ نکتہ آفرینی۔ جاہ وحشم، پند ونصیحت۔ شعری ہئیت۔ گم گشتہ، پیرایہ بیان

رباعی اردو کی مختصر ترین صنفِ سخن ہے ۔ اس میں ایک وسیع مضمون کو سمیٹ کر بیان کیا جاتا ہے اس لیے ایجاز واختصار اس کی بنیادی خصوصیت ہے۔ رباعی اپنی نوعیت و خصوصیات کی بنا پر مشکل صنف ہے۔ اس کی بحر عام طور پر دشوار سمجھی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ کثیر تعداد میں رباعیاں نہیں کہی گئیں تاہم یہ صنف ہر عہد میں مقبول اور محترم رہی ہے۔ ہر بڑے شاعر نے تھوڑی بہت رباعیاں ضرور کہی ہیں۔ جب تک شاعر قدرت بیان اور قادر الکلامی کے ساتھ ساتھ رباعی کے مخصوص اوزان وبحور سے ذہنی ہم آہنگی ومناسبت نہ رکھتا ہو، رباعی گوئی کی ذمہ داریوں سے پوری طرح عہدہ برا نہیں ہو سکتا۔ رباعی کا سفر کئی صدیوں پر محیط ہے۔ اردو کے پہلے بادیوان شاعر محمد قلی قطب شاہ (1565-1612) کے دیوان میں متعدد رباعیاں ملتی ہیں۔ موجودہ دور میں اس صنف میں طبع آزمائی کرنے والے شاعر بہت کم ہیں۔ یوں کہیے کہ آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ بیسویں صدی میں رباعی کو زندہ رکھنے کا سہرا جن شعرا کے سر ہے۔ ان میں جگن ناتھ آزاد (۱۹۱۸۔ ۲۰۰۴)، صفیہ شمیم ملیح آبادی (۱۹۲۰۔ ۲۰۰۸) ڈاکٹر اسلم انصاری (۱۹۳۹)، سیف الدین سیف (۱۹۲۲۔ ۱۹۹۳)، اختر انصاری (۱۹۰۹۔ ۱۹۸۸)، اور دیگر کے نام شامل ہیں۔ جن شعرا نے کثرت سے رباعیاں کہی ہیں ان میں جوش ملیح آبادی، فراق گورکھپوری، یگانہ چنگیزی اور گوہر جلالی کے نام نمایاں ہیں۔ جدید شعرا جنھوں نے رباعی کی طرف توجہ کی ان میں مظفر حنفی، شمس الرحمان فاروقی، باقر مہدی اور دیگر کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ (۱) دورِ حاضر میں رباعی کہنے والوں میں ایک قابلِ ذکر نام گلزار بخاری کا ہے۔ آج کے سہل پسند دور میں رباعی جیسی مشکل ترین صنفِ سخن میں طبع آزمائی کر کے گلزار بخاری بجا طور پر ادو ادب کی خدمت کا بیڑا اُٹھائے ہوئے ہیں۔ گلزار بخاری نے رباعی کے روایتی مضامین اور دورِ جدید کے موضوعات کو پیش کر کے رباعی کو ایک نئے رنگ سے روشناس کرایا ہے۔ گلزار بخاری کی رباعیات غیر مطبوعہ ہیں۔ ان کی اشاعت اردو ادب میں قابلِ قدر اضافے کا باعث ہو سکتی ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں رباعی نگاری کے اس سفر میں گلزار بخاری کی رباعیات کی جملہ خصوصیات کا جائزہ لیا جائے گا۔ اس جائزے سے پیشتر صنفِ رباعی کے معنی ومفہوم، اہمیت وانفرادیت اور روایت پر ایک نظر ڈالنا نہایت ضروری ہے۔

رباعی عربی لفظ ''ربع'' سے بنا ہے۔ اصطلاحاً اس سے وہ شعری ہئیت مراد ہے جو چار مصرعوں پر مبنی ہو اور فکر وخیال کے لحاظ سے مکمل ہو۔ جس میں مقررہ اوزان، وحدتِ فکر اور تسلسلِ بیان کی پابندی از حد ضروری ہے۔ رباعی کے چار مصرعوں میں خیال مربوط ومسلسل ہوتا ہے اور آخری مصرعے میں خیال کی تکمیل ہوتی ہے۔ رباعی میں تسلسلِ بیان اور خیال کے تدریجی ارتقا کے خوبصورت اظہار کے لیے ضروری ہے کہ رباعی کے چاروں مصرعے زنجیر کی کڑیوں کی طرح باہم مربوط ہوں۔ الفاظ وتراکیب کا انتخاب موضوع کی مطابقت سے ایسا بر محل ہو کہ اس سے بہتر کا تصور ہی نہ ہو سکے۔ پہلے مصرعے میں مناسب الفاظ کے ساتھ خیال کو روشناس کرایا جائے۔ دوسرے اور تیسرے

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

مصرعے میں اس کے خدوخال کچھ اور نمایاں کیے جائیں اور چوتھے مصرعے میں مکمل خیال کو ایسی برجستگی اور شدت کے ساتھ سامنے لایا جائے کہ سننے والا مسحور و متحیر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس طرح رباعی پہلے تین مصرعے گویا ریاضی کے مجموعی شاعرانہ حسن واثر کے لیے ایک لطیف اور سادہ فضا تیار کرتے ہیں جس سے سامع اکثر بے خبر رہتا ہے لیکن یہی سادہ و پُرکار فضا جب چوتھے مصرعے میں ڈرامائی انداز سے سامنے آتی ہے تو بڑی جرأت آزما بن جاتی ہے۔ اس کے پہلے دوسرے اور چوتھے مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور تیسرا مصرعہ ہم قافیہ نہیں ہوتا۔ تیسرے مصرعے میں بھی قافیے کی مثالیں مل جاتی ہیں۔ رباعی کے دو مصرعوں بالخصوص چوتھے مصرعے پر رباعی کی عمدگی اور تاثیر کا انحصار ہوتا ہے۔ اس لیے آخری مصرع زوردار ہونا چاہیئے۔ مولانا حامد حسن قادری نے ایک نعتیہ رباعی میں چوتھے مصرعے کی اہمیت و عظمت کا اظہار عجیب و غریب انداز سے کیا ہے ۔لکھتے ہیں:

دنیا میں رسول اور بھی لاکھ سہی
زیبا ہے مگر حضورؐ کو تاجِ شہی
ہے خاتمہ حسن عناصر ان پر
ہیں مصرعہ آخر اس رباعی کے وہی

رباعی کا ابتدائی نام ترانہ بھی تھا۔ ایک مطلع اور ایک شعر یعنی دو ابیات کی وجہ سے اس کا نام دوبیتی بھی رہا ہے۔ چار مصرعوں کے سبب اسے چہار مصراعی بھی کہا گیا ہے۔ غزل کی طرح رباعی بھی مردف اور غیر مردّف ہو سکتی ہے خواہ صرف قافیہ لائیں یا قافیہ ردیف دونوں۔ چونکہ عربی شاعری میں ردیف کا رواج نہ تھا اس لیے قدیم فارسی دان عربی شعرا نے اکثر غیر مردّف رباعیاں کہی ہیں۔ رباعی بحر ہزج مثمّن (اخرب یا اخرم) میں لکھی جاتی ہے اور اس کے لیے چوبیس اوزان مقرر ہیں۔ رباعی کی ظاہری ہیئت میں ایسی کوئی مخصوص اور اہم بات نہیں جو اسے صنف کی حیثیت سے شناخت کرائے۔ اس کی صنفی شناخت ان مخصوص اوزان میں مضمر ہے جن میں سے اگر کسی ایک وزن میں بھی کوئی دو شعر نہیں ہیں تو رباعی نہیں کہلائیں گے۔ انھیں قطعہ کہا جائے گا۔ اس ضمن میں شمیم احمد کہتے ہیں کہ:

> ”رباعی کی تعمیر و تشکیل میں سب سے آسان چیز اس کی ہیئت ہے۔ اس کی صوری ہیئت میں کوئی منفرد، نئی اور انوکھی بات نہیں ہے۔ چاروں مصرعوں پر مشتمل یہ صنف غزل کے دو شعروں سے متشابہ ہے۔ البتہ اس کی اندرونی ہیئت جس کا تعلق خاص عروض سے ہے اس کی صنفی شناخت کا خاص وسیلہ ہے۔“(۲)

محققین کے مطابق رباعی فارسی شعرا کی ایجاد ہے۔ رودکیؔ اولین رباعی گو مانا جاتا ہے۔ فارسی میں باباطاہر عریاں، عمر خیام، سرمد، ابوسعید ابوالخیر، فریدالدین عطار ،سعدی وغیرہ معروف رباعی گو ہیں۔ اردو زبان میں بھی شعرا نے رباعیات کہی ہیں۔ اردو میں حمدیہ، نعتیہ، مدحیہ، خمریہ، عشقیہ، فلسفیانہ اور اخلاقی غرض ہر نوعیت کی رباعیاں موجود ہیں۔ اردو کے پہلے باقاعدہ دیوان شاعر محمد قلی قطب شاہ کے دیوان میں متعدد رباعیاں ملتی ہیں۔ ملا وجہی، سراج اورنگ آبادی اور ولی دکنی کے ہاں رباعیاں ملتی ہیں۔ ان رباعیات میں وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جو ان شعرا سے مخصوص ہیں۔ دکنی شعرائیں ہر ایک مشہور شاعر نے کم و بیش رباعیات کہی ہیں لیکن ان کے بافرے میں صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ رباعیاں ہیں۔ شمالی ہندوستان میں میر و سودا کے زمانے میں رباعی کچھ چمکی لیکن زیادہ مؤثر نہ ہو سکی۔ اس دور کے اساتذہ نے اگرچہ اس میں طبع آزمائی کی تاہم ان میں دل برشتگی، سپردگی اور حرمان تو موجود ہیں لیکن ترنم اور نغمگی کی کمی ہے جس کے بغیر رباعی کا پنپنا ناممکن سی بات ہے۔(۳)

مثالیں دیکھیے:

ہر صبح غموں میں شام کی ہے ہم نے
خوں نابہ کشی مدام کی ہے ہم نے
یہ مہلت کم کہ جس کو کہتے ہیں عمر
مر مر کے غرض تمام کی ہے ہم نے

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

اے درد یہ درد جی سے کھونا معلوم
چوں لالہ جگر سے داغ دھونا معلوم
گلزار جہاں ہزار پھولے لیکن
میرے دل کا شگفتہ ہونا معلوم

سوداؔ اور میر حسن کے ہاں بھی رباعیاں ملتی ہیں۔ دبستانِ لکھنؤ میں ناسخ، انشا، جرأت نے بھی رباعیاں کہیں۔ معاملہ بندی، شوخی، چلبلا پن، نوک جھونک اور بے باکی جو کہ لکھنوی طرز سے مخصوص ہے۔ وہی طرز ان رباعیوں میں ملتا ہے۔ جرأت کی ایک رباعی کی مثال ملاحظہ کیجیے:

صرف غم والم جوانی میری
بے یار ہے خاک زندگانی میری
خط دے کے حقیقت اُس شوخ سے اپنی آہ
کہ دیجیو نامہ بر زبانی میری

رباعی کو مزید عروج تب نصیب ہوا جب انیس اور دبیر کی رباعیات کی مقبولیت نے اس صنفِ سخن کو محفلِ عزا سے نکال کر ادبی مشاعروں کی جان بنا ڈالا۔ اس طرح عملی طور پر اخلاقی اور سماجی فلاح کے حوالے سے اس میں کئی پہلو نکل آئے۔ حالی اور اکبر جیسے قومی مصلحین نے اس صنفِ سخن کو اصلاحی اور تعمیری کام کے لیے شعوری طور پر منتخب کیا یہاں تک کہ حالی و اکبر کے زیرِ اثر دیگر شعرا بھی رباعی کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس دور میں اسماعیل میرٹھی، امیر مینائی اور پیارے صاحب رشید نے اپنے اپنے انداز میں اچھی رباعیاں کہیں۔ یوں بیسویں صدی کے اوائل ہی سے رباعیات کے باقاعدہ مجموعے بڑی تیزی سے منظرِ عام پر آنے لگے۔ اس عہد کے قابلِ ذکر رباعی نگاروں میں امجد حیدر آبادی، جگت موہن لال رواںؔ، تلوک چند محروم، جوش ملیح آبادی، فراق گورکھ پوری، فانی، سیماب اکبر آبادی، اثر صہبائی کے نام شامل ہیں۔ اردو رباعی کی تاریخ میں اقبال کا نام بھی ایک اہم نام ہے۔ اقبال نے بالِ جبریل اور ارمغانِ حجاز میں جو کچھ اظہار کیا جا سکتا تھا وہ رباعی کے پیرایہ اظہار میں کر دیا ہے۔ اقبال کی رباعی اردو میں اس صنفِ سخن کی ممکنات کا اظہارِ کامل ہے۔ بقول سید عابد علی عابد:

> "اقبال اپنی رباعیات کے لیے ایسا مترنم اور خوش آہنگ پیکر تخلیق کر گئے ہیں جو اپنی نظیر آپ ہے۔ ان کی رباعیات میں ما بعد الطبیعات کے تعقلات اور تصورات سے لے کر حیرت خانۂ تصوف کی واردات تک سبھی کچھ موجود ہے۔ اقبال نے رباعی کے تمام ممکنات کی طرف اشارہ کر کے بتایا ہے کہ اس صنفِ سخن میں لطیف ترین واردات اور تجربات بیان کیے جا سکتے ہیں۔"(۴)

اس سے انکار نہیں کہ دنیا میں وقوع پذیر ہونے والے سیاسی، معاشی اور جنگی حالات و واقعات ادب پر اپنے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ بقول آلِ احمد سرور جنگِ عظیم سے پہلے ہماری شاعری ایک خاموش اور پر سکون دریا کی طرح تھی ۔ اس کے بعد اس میں طوفاں کی تیزی و بے مہری، تباہی اور غارت گری اور زرخیزی آگئی۔ اس تباہی و غارت گری کا اثر مختلف شعرا اور ان کی شاعری پر مختلف طرح کا ہوا۔ کسی نے اس تباہی پر گریہ و آہ وزاری کی۔ کسی نے شکوہ اور باغیانہ پن اپنایا تو کسی نے رومان پرور فضا میں پناہ لے کر اس غم کے اثر کو زائل کرنے کی کوشش کی۔ اقبال کی تابِ سخن اسے خدا سے ہم کلام ہونے اور اپنا شکوہ پیش کرنے کی جرأت عطا کرتی ہے تو وہ اپنی رباعی میں کہہ اٹھتے ہیں:

تیرے شیشے میں باقی نہیں ہے
بتا کیا تو میرا ساقی نہیں ہے
سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم
بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

انسانی ظلم وستم پر شکوہ اور شکایت کا انداز ہمیں مختلف پیراؤں میں دیگر کئی شعرا کے ہاں بھی ملتا ہے مثال کے طور پر اختر انصاری کی کتاب "شعلہ بجام" کی ایک رباعی دیکھیے جس میں باغیانہ پن جھلکتا ہے:

کیا قہر کو معبود لیے بیٹھا ہے
انصاف کے ہونٹوں کو سیے بیٹھا ہے
آدم نے بناڈالے جہنم لاکھوں
تو ایک جہنم کو لیے بیٹھا ہے

شعر وادب میں نالہ وفریاد سے شکوہ وشکایت اور باغی طرزِ اظہار تک پہنچنے میں بہت سیاسی وسماجی، عمرانی واقتصادی عوامل کارفرما ہیں۔ ناگفتہ بہ حالات کا ایک تسلسل لہجے میں کاٹ اور تلخی کا سبب بنتا ہے۔ تیزی سے بدلتے ہوئے معاشرتی رویے اور سماجی اقدار خواب وخیال اور تصوراتی دنیا میں کھوئے رہنے سے باہر نکل کر حقیقت کا سامنا کرنے پر اکساتی ہے اور پھر حقیقت کو سامنے پاکر اظہار کی جرات نہیں تو کم از کم جسارت ضرور پیدا کر دیتی ہے۔ اس تمام پس منظر میں گلزار کے لب ولہجے کو دیکھیں تو جور وستم کے اس جہاں میں بے بسی اور لاچاری کا بیان انھیں بھی شکوہ اور شکایت کرنے بلکہ باغی انداز اپنانے پر اکساتا ہے۔ اسی لیے جہاں وہ ایک طرف مظاہر کائنات اور اس کے توازن کو دیکھتے ہوئے خدا کی ذات تک پہنچتے ہیں وہاں انسان کو شیطان کے جال میں پھنسا دیکھ کر اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اگر اسے خلق نہ کیا گیا ہوتا تو ہم اس کے بہلاوے میں نہ آتے۔ کہ اس طرح کے امتحان اور آزمائش میں انسان ابلیس کی فریب کاری سے بچ نہیں سکتا۔ شیطان کا کیا ہوا انسان کے سر آتا ہے اور اس پر آنے والے تمام الزامات ہمارے سر آتے ہیں۔ اس حوالے سے ایک شکوے کا انداز بھی ان کے ہاں نظر آتا ہے۔ مثال ملاحظہ کیجیے:

سر اپنے پر الزام لیا ہے میں نے
کب زور صفائی پہ دیا ہے میں نے
میں اس کے اثر میں ہوں مگر اے خالق
ابلیس کو کیا خلق کیا ہے میں نے

اس کے ساتھ ساتھ ان کی بیشتر رباعیات عجز وانکساری کے جذبے سے سرشار ہیں۔ درویشی ان کی فطرت کا حصہ ہے۔ دنیاداری اور جاہ وحشم سے زیادہ مرعوب نہیں ہوتے اور ہر حال میں خدا ے بزرگ وبرتر کا شکر ادا کرنا چاہتے ہیں۔ جس نے اس دنیا میں انسان کو بھیجا۔ گلزار کی رباعیات جن میں خدا کی شان اور عظمت کو پیش کیا گیا ان میں وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے جلوے ہر طرف بکھرے پڑے ہیں اور ہر جا اس کی قدرت کے کرشمے دکھائی دیتے ہیں۔ ان نشانیوں کو دیکھتے اور سمجھتے ہوئے خدا کی ذات تک رسائی ممکن ہو جاتی ہے۔ اگر پھر بھی انسان وہم وگمان میں بھٹکتا پھرے تو وہ خود ہی نامراد ہے۔ اللہ کی شان بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

مت بھاگ یونہی وہم وگماں کے پیچھے
کچھ سوچ ہے کیا کون ومکاں کے پیچھے
ترتیب وتوازن سے یہ اُٹھتا ہے سوال
قوت ہے کوئی نظمِ جہاں کے پیچھے

رباعی کے موضوعات اور مضامین میں ابتداً مذہب، نعت اور توحید کا ذکر ہوتا تھا۔ رفتہ رفتہ متصوفانہ خیالات شامل ہوئے۔ چونکہ قدیم صوفیائے کرام مصلح اخلاق اور مفکرِ دین بھی ہوا کرتے تھے۔ اس لیے صوفیانہ رنگ میں وعظ وپند اور حکمت وفلسفہ بھی شامل ہوا اور اس طرح رباعی نے ایک بڑے شعبۂ حیات کو محیط کر لیا۔ رباعی میں غزل کی سی لچک اور وسعت ہے۔ جس طرح مختلف دور کی غزل میں مختلف رجحانات ملیں گے بالکل اس طرح رباعیاں بھی اپنے عہد کی آئنہ دار نظر آئیں گی۔ اس لیے رباعی کے موضوعات کی حد بندی نہیں کی جاسکتی۔ حمد، نعت، منقبت، دنیا کی بے ثباتی، تصوف، فلسفہ، عشق، سیاست، اخلاقیات، مناجات، منظر نگاری غرض دنیا کے ہر موضوع پر رباعی کہی جاسکتی ہے۔ باعتبار موضوع اس کا دامن بے حد وسیع ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر فرید پربتی کہتے ہیں:

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

"رباعیات نے اپنے اندر ہر طرح کے موضوعات کو سمیٹ لیا اور بھانت بھانت کے مزاج کا ساتھ دیا۔ صوفیانہ مزاج رکھنے والوں نے عشقِ حقیقی اور نیچر کے پرستاروں نے نیچرل شاعری کے لیے۔ اس طرح اس صنف نے مختلف مزاجوں کا ساتھ دیا۔"(۵)

اخلاقی مضامین رباعی کی جان ہیں قدیم روایات میں زیادہ تر اخلاقی مضامین ملتے ہیں شعرا مختلف انداز میں لوگوں کو پند و نصیحت کرتے رہے ہیں۔ گلزار بخاری کی رباعیات میں بھی متنوع موضوعات نظر آتے ہیں۔ ان کے ہاں ایک اہم موضوع دنیا کی بے ثباتی ہے۔ یہ موضوع رباعی کا روایتی موضوع ہے۔ گلزار بنیادی طور پر ایک روایت پسند شاعر ہیں۔ اس لیے کچھ تو انھوں نے روایت کا اثر قبول کیا ہے اور کچھ اپنے قوتِ مشاہدہ سے کام لیا ہے۔ گلزار کے نزدیک دنیا فانی ہے۔ مال و زر ساتھ نہیں جائے گا۔ اس عارضی دنیا سے دل نہ لگانے کی تلقین کرتے ہیں۔ غرور ایک ایسی برائی ہے جو تمام نیکیوں کو غارت کر دیتی ہے۔ غرور صرف اللہ کی چادر ہے۔ صرف اُسے زیبا ہے مگر انسان یہ نہیں سمجھتا۔ کوئی اپنی دولت، کوئی اپنی شہرت اور کوئی اپنی حکمرانی کو اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتا ہے اور غرور میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ غرور اللہ کو ناپسند ہے۔ اور کروڑوں اس جہاں میں آ کے گم گشتہ اور پامال ہوئے ہیں ان کے نزدیک انسانی قدریں ہی حسن، خیر اور صداقت کے ناموں سے موسوم ہیں اور مہذب معاشروں کا سرمایہ ہیں۔ انھیں اس بات کا احساس ہے کہ دورِ حاضر کی مادہ پرستی کے سبب ایک دوسرے سے محبت، قربت اور ادب و احترام کا تعلق ختم ہو گیا ہے۔ دوسروں کو حقارت سے دیکھنا انسان کا وطیرہ بن گیا ہے۔ وہ آج کے انسان سے بہت نالاں ہیں۔ کہ لوگ ایک دوسرے سے محبت و مروّت نہیں رکھتے۔ ایک دوسرے سے ہمدردی نہیں رکھتے۔ لوگوں کی نظریں بدل گئی ہیں۔ محبتوں کی جگہ نفرتوں نے دلوں میں گھر کر لیا ہے۔ ایک دوسرے کے بارے میں بدگمانیاں جنم لے رہی ہیں۔ انسان اشرف المخلوقات تو اب بھی کہلاتا ہے مگر انسانیت کے درجے سے بھی گر گیا ہے۔ ایسے خیالات کے اظہار کے دوران بعض اوقات ان کا لہجہ بہت تلخ ہو جاتا ہے۔۔ اس حوالے سے کہتے ہیں:

ہو طاقت و قوت پر نہ مغرور بہت
جابر ترے جیسے ہوئے مجبور بہت
طالع ہے ترا اوج پہ لیکن مت بھول
تختے سے ترا تخت نہیں دور بہت

میزان میں اعمال کو تولو پہلے
تم کیا ہو ذرا خود کو ٹٹولو پہلے
منزل ہے بہت دور مسلمانی کی
اے وحشیو انسان تو ہو لو پہلے

بدلے گا حقیقت کا نوشتہ کیسے
نفرت سے جڑے پیار کا رشتہ کیسے
ٹھہراؤ گے ابلیس اگر اوروں کو
سمجھے گا تمھیں کوئی فرشتہ کیسے

احسان فراموشی بھی آج کے انسان کی بہت بڑی خامی ہے۔ ان حالات میں بھائی بھائی کا دشمن ہے اور رشتوں کا احترام اور تقدس ختم ہو گیا ہے ان کے ہاں مزدوروں اور پسے ہوئے طبقے کے ناگفتہ بہ حالات کے حق میں بھی مثالیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ موجودہ دور کا انسان مال و زر کا غلام ہے۔ اللہ کی ذات پر بھروسے اور قناعت سے وہ اپنی زندگی کو آسان بنا سکتا ہے مگر ہوس و لالچ اسے تھوڑے وسائل پر قانع نہیں ہونے دیتی۔ اللہ کی تقسیم پر خوش رہنے والا گلزار بخاری جب اپنے ارد گرد غاصبوں کو حق داروں کا حق مارتے ہوئے دیکھتا ہے تو بھی بڑی جرأت اور بے باکی سے آواز بلند کرتا ہے۔ عدم توازن کی اس صورتِ حال میں گلزار صرف تڑپتے اور کُڑھتے ہی

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

نظر نہیں آتے بلکہ ان کے ہاں ان حالات سے نبرد آزما ہونے کی ترغیب ملتی ہے۔ اور اپنے ماحول کو بدلنے کا حوصلہ ملتا ہے۔ ایک بات جو یہاں قابلِ ذکر ہے وہ یہ کہ حالات کی سختیاں بیان کرتے ہوئے جہاں گلزار کا لب و لہجہ تلخ ہو جاتا ہے وہاں ہمت و حوصلہ دیتے ہوئے ان کے ہاں ایک عزم اور ڈٹ جانے کا انداز نظر آتا ہے کہتے ہیں۔ ان کے ہاں مزدوروں اور پسے ہوئے طبقے کے ناگفتہ بہ حالات کے حق میں بھی مثالیں ہمارے سامنے آتی ہیں:

جذبات کی روہی میں سدا رہتے ہو
بیگانۂ اسباب و علل رہتے ہو
مزدور کی شہ رگ سے ہوا ہے جو کشید
اس خون کو تم تاج محل کہتے ہو

اخلاص و مروّت کا خدا حافظ ہے
رشتوں کی صداقت کا خدا حافظ ہے
بھائی کے گریباں پہ ہے بھائی کا ہاتھ
اس شہر اخوّت کا خدا حافظ ہے

فرہاد ہیں آسودہ نہ جم راضی ہیں
شاکی ہیں بہت دہر میں کم راضی ہیں
اوروں کو ملا مال ہمیں دولتِ درد
اللہ کی تقسیم پہ ہم راضی ہیں

ان کی رباعیات میں کئی مقامات پر حسن و عشق کے معاملات کی عکاسی کی گئی ہے محبت میں انسان ہر طرح کے دکھ اور غم برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے دنیا خواہ اسے کتنے ہی طعنے دے اور آزار کیوں نہ پہنچائے۔ وہ انھیں اہمیت نہیں دیتا۔ وہ محبوب کی محبت سے باز نہیں رہ سکتا۔ عاشق کے دل میں محبوب بسا ہوتا ہے اور اگر یہ دل محبوب توڑ دے تو اس میں دراصل محبوب ہی کا نقصان ہے۔ محبت کے معاملات میں گلزار روایت کے قائل ہیں۔ اگرچہ زبانِ غیر سے محبوب کا ذکر انھیں پسند نہیں مگر ماحول کی تلخی کو کم کرنے کے لیے رقیب کو برداشت کرتے ہیں۔ چونکہ انھیں محبوب سے وابستہ ہر چیز سے محبت ہے۔ تو کوئی دوسرا اس کا نام لیوا ہو تو اسے عزیز رکھتے ہیں۔ محبوب کا عہد و پیماں کرنا اور پھر ان وعدوں کو وفا نہ کرنا ہماری روایتی شاعری میں پسندیدہ مضمون ہے۔ اس مضمون کو گلزار نے روایتی انداز میں ہی باندھا ہے۔ اس سے عہد شکنی کا گلہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مثال دیکھیے: محبوب کے دیے ہوئے غم عاشق کو بہت عزیز ہوتے ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ راہِ وفا میں بہت درد و غم آتے ہیں اس کے باوجود وہ فرار کا راستہ اختیار نہیں کرتا بلکہ اسی حزن و الم کی فضا میں رہنا چاہتا ہے لیکن اگر کسی بات پہ محبوب رنجیدہ ہو اور اس کے آنسو چھلک آئیں تو عاشق کا دل اور جلتا ہے۔ ان خیالات کو اپنی رباعی کی زینت بناتے ہیں جب محبوب کا ساتھ نہ ہو اور ماحول میں اس کی خوشبو نہ ہو ایسی جگہ رکنا شاعر کے لیے مشکل ترین مرحلہ ہوتا ہے۔ اس حوالے سے کہتے ہیں:

اے راحتِ جاں خانہ جاں کس کا ہے
ہے تو ہی مکیں اور مکاں کس کا ہے
دل توڑ نہ میرا کہ ٹھکانہ ہے ترا
اس گھر کے اجڑنے میں زیاں کس کا ہے

احساس کو آداب پر مائل کر لوں

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

کچھ ضبط کا جذبوں کو بھی قائل کر لوں
ایسا نہ کہیں ہو کہ بھری محفل میں
بازو تری گردن میں حمائل کر لوں

گریہ ترا شعلوں کو ہوا دیتا ہے
نس نس میں شرارے سے بسا دیتا ہے
جی کو ترے اشکوں کو جلایا تو کھلا
پانی بھی کبھی آگ لگا دیتا ہے

گلزار لفظ کی حرمت کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک یہ لفظ ہی ہیں جو زخم دیتے ہیں اور لفظ ہی ہیں جو مرہم لگاتے ہیں۔ اس لیے لفظ کے برتنے میں احتیاط لازم ہے، تاکہ کسی کی دلآزاری نہ ہو۔ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ لوگ مفاد پرست ہو گئے ہیں۔ الفاظ کو بھی اپنے فائدے اور مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ان کے قول و فعل میں تضاد ہوتا ہے۔ اسی حرف کی حرمت اور رائے میں رواداری وہ زندگی کے ہر شعبے میں دیکھنے کے خواہاں ہیں بالخصوص شرعی اور ادبی تنقید میں الفاظ کے ایسے چناؤ کے حامی ہیں کہ کسی کی دلآزاری نہ ہو۔ گلزار کے نزدیک جو کم علم ہے اور جوہر شناس نہیں وہ اچھائی اور برائی، غلط اور درست میں فرق نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے سب برابر ہیں۔ وہ جاہل اور عالم میں حدِ فاصل نہیں جان سکتا

نکلے کشش و جذب کی صورت کیسے
الفاظ و معنی میں ہو وحدت کیسے
ہے کارِ سخن بوالہوسوں کی زد میں
محفوظ رہے لفظ کی حرمت کیسے

لہجے میں تحمل ہو رواداری ہو
مقصود ترفع ہو ہنر کاری ہو
از روئے شریعت ہو کہ از روئے ادب
تنقید وہ کیا جس میں دلآزاری ہو

صحیح معنوں میں اردو رباعی کے نمو کا دور اردو مرثیہ نگاری کے دور سے شروع ہوا تھا۔ مرثیے کی محفلوں کے مخصوص آداب اور رکھ رکھاؤ نے رباعی کی صنف کو بھی پنپنے کا موقع دیا۔ خوش گلو مرثیہ گو مرثیہ پڑھنے منبر پر آتے تو آغاز بالعموم رباعیات سے کرتے۔ جن میں دنیا کی بے ثباتی اور حرمانِ زیست کی دل کش تصویریں کھینچی جاتی تھیں۔ اس عہد کے رباعی نویسوں کے ہاں یہ بات خاص طور پر ملحوظ رکھی جاتی کہ رباعی کا معیار کسی طور مرثیے سے کم نہ ہو۔ مرثیہ گو شعرا کے ہاں رباعیات میں بذلہ سنجی اور نکتہ آفرینی کا پیدا ہونا یقینی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انیس اور دبیر نے مرثیے کو جہاں کمالِ فن کی بلندیوں پر پہنچایا وہیں رباعی کے فن میں بھی جوہر دکھائے۔ گلزار بخاری نے بھی مخصوص مذہبی عقاید اور مذہبی شخصیات کو بھی اپنی رباعیات کا موضوع بنایا ہے۔ ان عقاید کے بیان سے گلزار کی مذہبی شخصیات سے وابستگی اور عقیدت کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت علیؓ کی شخصیت کو انھوں نے اپنی بہت سی رباعیات کا موضوع بنایا ہے۔ ان کے ذکر اور ان کو دیکھنے کو وہ وین عبادت گردانتے ہیں۔ جس سے علی راضی ہو جائے اس سے خدا بھی راضی ہو جاتا ہے۔ اُم المومنین حضرت خدیجہؓ کے کی مال دار خاتون تھیں۔ انھوں نے آغازِ نبوّت سے لے کر اپنی زندگی کے آخری دن تک حضورؐ کا قدم قدم پر ساتھ دیا۔ نہ صرف نبی کریمؐ کو ان کی اخلاقی معاونت حاصل تھی بلکہ انھوں نے اپنے مال و دولت کو اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ ان کی زندگی کے اس پہلو کو اجاگر کرتے ہوئے گلزار لکھتے ہیں: واقعہ کربلا

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

اور شہیدِ کربلا کا ذکر بھی ان رباعیات میں ملتا ہے۔ اگر کربلا کی مٹی کی تقدیس کو مقدم رکھا جائے اور ان عظیم ہستیوں کا احترام ملحوظِ خاطر ہو تو خود میں عمدہ اوصاف پیدا ہوتی ہیں ۔ یہاں تک کہ تقدیر بدل جاتی ہے۔ اس ضمن میں یوں اظہارِ خیال کرتے ہیں: مختلف رباعیات میں حضرت فاطمہؑ کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔ ان کے اخلاص کو مشعلِ راہ گردانتے ہیں۔ ان کی عظمت کے گُن گاتے ہیں۔ ان کی عزت و تکریم کے بیان میں تاریخی واقعات کو بھی زندہ کر دیا ہے کہتے ہیں:

خوشبوے گلِ طُور کسے کہتے ہیں
کیا ستر ہے مستور کسے کہتے ہیں
تطہیر کی چادر کو جو سمجھو تو کھلے
پردے میں چھپا نور کسے کہتے ہیں

جب دین پہ مشکل کا زمانہ آیا
آگے نہ کوئی اور گھرانہ آیا
یا عشرتِ عمران ہوئی اس پہ فدا
یا کام خدیجہ کا خزانہ آیا

بھولے گا نہیں دین کو دامانِ حسین
محفوظ اسے کر گیا احسانِ حسین
محسن کی خبر ہوتی ہے ممنونوں کو
اسلام سے پوچھو کہ کیا شانِ حسین

چونکہ رباعی پر قلیل الالفاظ اور کثیر المعانی صنف کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس لیے جب تک موضوع کی مطابقت سے مناسب و موزوں اسلوبِ بیان ہاتھ نہ آ جائے کامیاب رباعی کا وجود میں آنا مشکل ہے۔ اس لیے فنی پابندیوں کے ساتھ زبان کی صحت، سلاست، روانی اور بلاغت کو بھی خاص طور پر ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ ایران کے قدیم ترین علم فن پر محمد بن قیس رازی مصنف "المعجم فی معاییر اشعار العجم" کا خیال ہے کہ رباعی کو قوافی کی موزونیت، الفاظ کی شرینی، معانی کی لطافت، تشبیہات و استعارات کی ندرت اور دوسرے لسانی محاسن سے مالامال اور الفاظ کی بے جا تقدیم و تاخیر، تعقیدِ لفظی و معنوی اور ابتذال و فحش گوئی سے بالکل پاک ہونا چاہیئے۔ فنی اعتبار سے ان رباعیات کا جائزہ لیا جائے تو یہ سادہ اور عام فہم ہیں۔ مبہم اور پیچیدہ الفاظ کے انتخاب کے بجائے آسان زبان کا استعمال کی ہے۔ پیرایۂ بیان نہایت لطیف ہے۔ خوبصورت تشبیہات و استعارات کا استعمال کلام کو مزید دلکش بناتا ہے۔ گلزار کے ہاں عمدہ تشبیہات دکھائی دیتی ہیں۔ مختلف صنعتوں اور ضرب الامثال کا استعمال بھی گاہے گاہے ملتا ہے۔ مثالیں دیکھیے:

پیکر ترا جادو کا جہاں ہو جیسے
خوشبو تری سرمایۂ جاں ہو جیسے
زلفیں ہیں پیشاں ترے شانوں پر
پربت پہ گھٹاؤں کا سماں ہو جیسے

حالات کا ہر جبر تجھے سہنا ہے
ہونٹوں سے مگر کچھ بھی نہیں کہنا ہے

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

اے دوست مگر مچھ سے نہیں بیر اچھا
دریا میں بہر حال تجھے رہنا

کافی نہیں اک ذوق پرستاری کا
معیار بھی ہوتا ہے طلبگاری کا
رکھتے ہو زلیخا کی نظر بھی کہ نہیں
سودا تو ہے یوسف خریداری کا

یوں ہم دیکھتے ہیں کہ گلزار بخاری کی رباعیات میں بہت سی فکری اور فنی خصوصیات موجود ہیں۔ ان میں حمدیہ، مخصوص مذہبی عقیدے کی جھلک، عشق مجازی اور اخلاقیات سے متعلق مضامین بیان کئے گئے ہیں۔ ان کی رباعیات روایتی رنگ کی حامل ہیں۔ بے ثباتی کائنات، پند ونصائح اور غور وفکر کی دعوت جو اکثر شعرا کی رباعیوں کا موضوع رہا ہے۔ گلزارؔ کے ہاں بھی نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ ان رباعیوں کی اساس انسانی زندگی، انسانی عظمت اور قلم کی حرمت ہیں۔ انھوں نے زندگی کی عام اور مسلّمہ حقیقتوں کو اپنے مزاج کے مطابق ڈھال کر ایک منفرد اسلوب میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس طرح ان کی رباعیات مضامین کے اعتبار سے تنوع کی حامل ہیں۔ کسی سے اخلاقی اقدار کی پامالی کا غم جھلکتا ہے تو کسی سے دوراں کا پہلو نکلتا ہے۔ بحیثیت مجموعی ان کی رباعیات میں سادگی کی خصوصیت غالب درجہ رکھتی ہے اور ہم یہ وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ متنوع اسالیبِ بیان اور رنگارنگ مضامین کی وجہ سے گلزارؔ کی رباعیات اردو ادب کا قابلِ اعتنا سرمایہ ہیں۔

حواشی

(۱) شمیم احمد۔ *اصنافِ سخن اور شعری ہیئتیں*۔ بھوپال: انڈیا بک امپوریم، ۱۹۸۱ء۔ ص ۶۹
(۲) ایضاً
(۳) عابد علی عابد، سید۔ *اصولِ انتقادِ ادبیات*۔ لاہور: مجلسِ ترقی ادب، ۱۹۶۶ء۔ ص ۴۴۶
(۴) ایضاً۔ ص ۴۵۳
(۵) ڈاکٹر فرید پربتی۔ *مقدمہ صنفِ رباعی*۔ دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، ۲۰۰۷ء ص ۱۲

کتابیات

خواجہ اکرام، ڈاکٹر۔ *اردو کی شعری اصناف*۔ دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس۔ سن ندارد
شمیم احمد۔ *اصنافِ سخن اور شعری ہیئتیں*۔ بھوپال: انڈیا بک امپوریم، ۱۹۸۱ء
عابد علی عابد، سید۔ *اصولِ انتقادِ ادبیات*۔ لاہور: مجلسِ ترقی ادب، ۱۹۶۶ء
فرمان فتح پوری، ڈاکٹر۔ *اردو رباعی*۔ کراچی: مکتبہ سنگِ میل، سن ندارد
فرمان فتح پوری، ڈاکٹر۔ *اردو شاعری کا فنی ارتقا*۔ لاہور: الوقار پبلیکیشنز، ۲۰۱۲ء
فرید پربتی، ڈاکٹر۔ *مقدمہ صنفِ رباعی*۔ دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، ۲۰۰۷ء
محمد اشرف کمال، ڈاکٹر۔ *تاریخ اصنافِ نظم ونثر*۔ کراچی: سٹی بک پوائنٹ، ۲۰۱۷ء۔

غیر مطبوعہ

روزنامچے: رباعیاتِ گلزار بخاری